اسلام اور ملوکیت

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے

شعبہ نشر و اشاعت

تنظیم الاخوان پاکستان، ۴۸ شاہراہ قائدِ اعظم لاہور

[illegible]لام اور ملوکیت

خالق کائنات نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ یہ مل جل کے رہنا پسند کرتا ہے۔ پھر اسے شعور اور عقل کی دولت سے نوازا گیا۔ لہذا یہ نظم و ضبط سے رہنا چاہتا ہے۔ اور نظم و ضبط کے لئے حکومت شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے کسی نہ کسی رنگ میں حکومت کے وجود کا سراغ ملتا ہے۔ تہذیبی ترقی کے ساتھ حکومت کی صورتوں میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اور طرز حکومت کے موضوع پر سائنٹفک طریقے سے سب سے پہلے ارسطو نے بحث کی۔ اس نے حکومت کی تین اقسام بیان کیں۔ اول بادشاہت دوم اشرافیہ سوم جمہوریت ایک طویل عرصہ کے بعد میکیاولی (1527) نے اس موضوع پر کام کیا۔ اس نے بھی ارسطو کی بنیادی تقسیم کو تسلیم کیا۔ البتہ بادشاہت کو مختلف نام دیئے گئے یعنی اس کی مزید تقسیم سامنے آتی مثلاً

(1) مطلق العنان بادشاہت (Despotism)

(2) شاہی بادشاہت (Royal Monorchy)

(3) جابریت (Tyranny)

حتی کہ موجودہ دور کے سیاسی میریٹ اور لیکاک تک نے بھی ارسطو کی بنیادی تقسیم کو تسلیم کیا۔ موجودہ طور میں حکومت کی آخری شکل یعنی مغربی جمہوریت کو مثالی اور معیاری شکل قرار دیا گیا۔ چنانچہ ہمارے ملک کے سیاسی پہلوان بھی اب اپنی برتری اور جذبہ ایثار کے ثبوت کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس جمہوریت کی خاطر کوڑے کھائے ہم نے جیلیں کاٹیں اور جمہوریت کی خاطر طرح طرح کے دکھ جھیلے۔ بات یہاں تک پہنچی کہ اسلام کے ذمہ پر تہمت لگا دی گئی اسلام جمہوریت ہی تو ہے۔ حالانکہ اسلام سرے سے انسانوں پر انسان کی حکومت کا قائل نہیں۔ (2) اسلام کا تو اعلان ہے اور ڈنکے کی چوٹ سے اعلان ہے کہ **ان الحکم الا للہ** یعنی

حکومت و فرمانروائی صرف اللہ کی ہے بقول ترجمان حقیقت

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

اسلام نے تو بتایا کہ حکومت کرنا انسان کا منصب ہی نہیں انسان کا مقصد تخلیق بتاتے ہوئے فرمایا کہ انسان کرہ ارض پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ خلیفہ کہتے ہیں نائب کو اور نائب وہ ہوتا ہے جو اصل حکمران کا قانون اس کی سلطنت میں نافذ کرے، اس لئے اسلام نہ بادشاہت کا قائل ہے نہ فوجی جمہوریت کا۔ اسلام جو نظام حکومت دیتا ہے اس کا نام خلافت ہے۔ نظام حکومت کیا ہے؟ اس کی بنیاد یہ ہے کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا مدبر بھی وہی ہے۔ قانون ساز بھی وہی ہے۔ ہر انسان اس کا خلیفہ ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ جو سلطنت انسان کے سپرد کی گئی ہے اس میں اللہ کا قانون نافذ کرے۔ ہر انسان کو قانون اور نفاذ کے لئے سلطنت عطا کی گئی ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی ریاست انسان کا اپنا وجود ہے۔ ہر انسان سے اس کی باز پرس ہو گی جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ** اس سے معلوم ہوا کہ اس نظام کے دو حصے ہیں۔ ایک ہے نظریہ حکومت دوسرا ہے صورت حکومت۔ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ حکمران اللہ تعالیٰ ہے۔ جو انسان اس نظریہ کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے اور جو اسے تسلیم نہیں کرتا بلکہ خود حکمران اور قانون ساز بنتا ہے وہ اللہ کی حکومت کے مقابلے میں اپنی حکومت چلانا چاہتا ہے۔ اسلام اسے باغی کہتا ہے۔ یہاں سے ملوکیت کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے۔ وہ یوں کہ حکومت دراصل ریاست کے انتظامی شعبے کا نام ہے۔ یعنی حکومت اختیارات اور قانون کو عمل میں لانے والی ایک ایجنسی ہے۔ یہ ایجنسی مختلف صورتیں اختیار کرتی رہی ہے۔ جن میں سب سے پرانی صورت کو ارسطو کے الفاظ میں بادشاہت کہتے ہیں۔ بادشاہت یہ ہے کہ عمر بھر کے لئے مطلق اختیارات کے ساتھ ایک شخص کی حکومت۔ اس میں قانون سازی قانون کا نفاذ اور عدلیہ کے تمام اختیارات کا مالک بادشاہ ہوتا ہے۔ جب

بادشاہت کو اسلام کے حوالے سے بیان کیا جائے تو اس کے لئے ملوکیت کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور جب مغربی جمہوریت کے تقابل کے حوالے سے بیان کیا جائے تو اسے آمریت کا نام دیا جاتا ہے اور آمریت کو اس قدر برا سمجھا جاتا ہے کہ جس چیز یا جس آدمی کا کسی آمر سے دور کا واسطہ بھی ہو اس سے بڑھ کر برا اور کوئی نہیں ہوتا۔

حکومت کی پسندیدہ ترین صورت مغربی جمہوریت کو سمجھا جاتا ہے کہ حکمران کے لئے انتخاب ہوتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ہر بالغ آدمی اپنی پسند کا ایک حکمران نامزد کرتا ہے۔ لیکن اس نامزدگی کا نام ووٹ دینا ہے اور جس کو زیادہ بالغ آدمی نامزد کریں وہ حکومت کا اہل شمار ہوتا ہے۔ پھر ایسے بہت سے نامزد آدمی مل کر قانون بنانے اور قانون کا نفاذ کرتے ہیں۔

یہ دو صورتیں ہیں۔ نظریہ حکومت دونوں صورتوں میں ایک ہی کارفرما ہوتا ہے۔ بادشاہت' ملوکیت یا آمریت میں قانون بنانا اور قانون کا نفاذ ایک آدمی کا کام ہوتا ہے اور جمہوریت میں بہت سے آدمی مل کر قانون سازی اور قانون کے نفاذ کا کام کرتے ہیں۔

اسلام اور حکومت : حکومت کی متداول مندرجہ بالا دونوں صورتوں کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ قانون سازی انسان کا کام ہے۔ اس لئے اسلام ان دونوں صورتوں کو غلط اور نقصان دہ قرار دیتا ہے۔ ہاں حکومت کی صورتیں مختلف ہیں۔ بادشاہت میں شخصی اقتدار اور مغربی جمہوریت میں اقتدار کے مالک عوام ہوتے ہیں۔ وہی اقتدار کے لئے چند افراد کو نامزد کرتے ہیں جس کو انتخاب کرنا کہا جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دو صورتوں کے متعلق اسلام کا رویہ کیا ہے۔ حالانکہ اس کی ضرورت تو نہیں کیونکہ انسان کی قانون سازی کا کام اسلام کے خلاف ہے اور یہ بہت بڑی برائی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ برائی ایک فرد پھیلائے یا ایک جماعت مل کر یہ مبارک کام کرے۔ بہرحال ان دونوں صورتوں کے متعلق اسلام کی رائے معلوم کرلینا ہی بہتر ہے۔

اسلام اور جمہوریت : یہ مغربی جمہوریت جو ہمیں مغرب سے تحفے کے طور پر ملی

ہے اور اس پر ہم ہزار جان سے فریفتہ ہیں۔ اس کے پانچ اجزائے ترکیبی ہیں۔ ہر ایک متعلق اسلام کا فیصلہ بیان کیا جاتا ہے۔

(1) پہلا اصول بالغ رائے دہندگی۔ یہ ایک سنہری اصول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک گنوار اور ڈوم کا فیصلہ اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا فیصلہ برابر ہے۔ بشرطیکہ دونوں بالغ ہوں۔ یہ اصول قرآنی تعلیمات کی ضد اور نری حماقت بلکہ حماقت کا شاہکار ہے۔

(2) دوسرا اصول حق وہ ہے جس کی تائید اکثریت کرے۔ قرآن کریم میں مطالعہ اور تاریخ انسانیت کی ورق گردانی سے ثابت ہے کہ اکثریت ہمیشہ جاہلوں کی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ اصول اسلام، عقل اور انسانیت میں منافی ہے۔

(3) اقتدار اعلیٰ عوام ہیں۔ یہ اصول صریح شرک اور کفر ہے۔

(4) جمہوریت میں اخلاقی اطوار مستقل نہیں ہوتیں۔ بداخلاقی کی انتہا اور نری حیوانیت ہے۔

(5) جمہوریت کے لئے اپوزیشن لازمی ہے۔ یعنی یہ پہلوانوں کا اکھاڑہ ہے۔ اس کی تفصیل مطلوب ہو تو ہمارا پمفلٹ "اسلام اور جمہوریت" مطالعہ فرمائیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مغربی جمہوریت صورت کے اعتبار سے بھی اسلام کی ضد ہے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ ابلیس نے اولاد آدم سے انتقام لینے کے لئے آج تک جتنے داؤ اور ہتھیار ایجاد کئے یہ جمہوریت ابلیس کا مہلک ترین اور کامیاب ترین داؤ ہے کہ انسان یہ زہر کھانے کے لئے بے تاب رہتا ہے۔

اسلام اور ملوکیت : قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مطلق بادشاہت یا ملوکیت مذموم اور قابل نفرت نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ملوکیت کے متعلق دو قسم کی آیتیں ملتی ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ قرآن کریم کی رو سے ملوکیت دو قسم کی ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو بری اور قابل نفرت ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو قابل تعریف ہے نہیں بلکہ اس کی تمنا اور خواہش کی جاتی ہے اور اس کے ملنے کی دعائیں

کی جاتی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

(1) **الم ترالی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان اتاہ اللہ الملک** (2:28)

کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے جھگڑا کیا۔ ابراہیم سے اس کے رب کی بابت اس وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اس کو حکومت۔

یہ نمرود کی بادشاہت کا ذکر ہے کہ بادشاہت کے نشے میں اللہ کے نبیؑ سے اللہ کی ذات کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ یہ بادشاہت یا ملوکیت کی وہ قسم ہے جو انسان کو اپنے رب کا باغی بنا دیتی ہے۔

(2) **قال یقوم الیس لی ملک مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی** (43:51)

فرعون نے کہا اے میری قوم بھلا میرے ہاتھ میں نہیں حکومت مصر کی اور یہ نہریں چل رہی ہیں میرے محل کے نیچے۔

یہ ملوکیت کی وہ قسم ہے جس کے بل بوتے پر فرعون نے **انا ربکم الاعلی** کا دعویٰ کر رکھا تھا۔

ان دونوں مثالوں سے ظاہر ہے ملوکیت کی یہ قسم وہ ہے جس میں انسان اپنے رب کے سامنے مدمقابل بن کر کھڑا نظر آتا ہے۔ اور اللہ کے بندوں پر اپنا بنایا ہوا قانون نافذ کرتا ہے۔

ملوکیت کی دوسری قسم:

(1) **فقد اتینا ال ابراھیم الکتاب والحکمۃ واتینٰھم ملکا عظیما**" (4:54)

(سو ہم نے دی ہے ابراہیمؑ کے خاندان میں کتاب اور علم اور ان کو دی ہم نے بڑی سلطنت)

یہاں بادشاہی یا ملوکیت کو اللہ کریمؑ نے اپنی نعمت کے طور پر بیان فرمایا۔

(2) **فھزموھم باذن اللہ وقتل داود جالوت واتاہ اللہ الملک والحکمۃ** (2:251)

(پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے اور مار ڈالا داؤد نے جالوت کو۔ اور دی اللہ نے داؤد کو حکومت اور حکمت! یہاں بھی بادساہت اور

ملوکیت کو اللہ نے اپنی نعمت قرار دیا۔

(3) رب هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (38 : 35)

(حضرت سلیمانؑ نے اللہ سے درخواست کی کہ اے میرے رب بخش مجھ کو وہ بادشاہی جو نہ ملے کسی کو میرے بعد)

دیکھیے اللہ کا ایک نبیؑ بادشاہی اور ملوکیت کے لئے اپنے رب سے دعا کر رہا ہے۔

(4) واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا (5 : 20)

ترجمہ : موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میری قوم یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر جب پیدا کیے تم میں نبی اور کر دیا تم کو بادشاہ۔

موسیٰؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو اللہ کی نعمتیں اور احسان یاد دلا رہے ہیں کہ تم میں نبوت بھی رکھی اور ملوکیت بھی عطا کی۔

دیکھنا یہ ہے کہ ملوکیت چیز ایک ہے مگر کبھی لعنت ہے اور کبھی نعمت ایسا کیوں ہے؟ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملوکیت' جب اللہ کے قانون کے نفاذ میں لگ جائے تو یہ نعمت ہے۔ اور اگر اللہ کے قانون سے بے نیاز ہو کر یا اس کی مخالفت کرکے خود قانون بنا کر نافذ کرنے لگے تو یہی ملوکیت لعنت ہے۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ ارسطو سے لے کر موجودہ دور کے ماہرین سیاست تک ملوکیت یا بادشاہت کی جو تعریف کرتے آئے ہیں۔ قرآن کریم اس کی تائید نہیں کرتا۔ قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق وہ طرز حکومت جس میں قانون سازی کا کام انسان کریں پھر اس اپنے بنائے ہوئے قانون کو نافذ کریں اسے ملوکیت کہتے ہیں۔ خواہ یہ کام فرد واحد کرے یا چند منتخب افراد کا گروہ کرے۔ دونوں صورتوں میں اس حکومت کو ملوکیت بادشاہت یا آمریت کہیں گے۔ اس کے برعکس جس حکومت میں اللہ کا بنایا ہوا قرآن و سنت کا قانون نافذ کیا جائے اسے خلافت کہیں گے۔ یہ کام کرنے والا خواہ ایک فرد ہو یا چند منتخب افراد کی ایک جماعت ہو۔ دونوں صورتوں میں اسے خلافت

ہی کہیں گے۔ کیونکہ یہ حکومت اللہ کے نائب کی حیثیت سے اللہ کا قانون اللہ کی مخلوق پر نافذ کر رہی ہے۔ پس وہ مغربی جمہوریت جس کو آج مثالی نظام حکومت سمجھا جاتا ہے اگر اللہ کے قانون کو نظرانداز کر کے قانون سازی کا کام خود کرے اور پھر اس خود ساختہ قانون کو نافذ کرے۔ اسلام کی نگاہ میں وہ جمہوریت بدترین قسم کی ملوکیت اور آمریت ہے اس لئے اگر کوئی اللہ کا بندہ غلبہ کے ذریعے مغربی جمہوریت کو ختم کر کے خود اللہ کا قانون نافذ کرے تو وہ آمر یا بادشاہ خدا ناشناس بلکہ خدا بیزار مغربی جمہوریت سے ہزار درجے بہتر ہے بلکہ ایک مسلمان کا تو یہ فرض بنتا ہے کہ ایسی جمہوریت کا خاتمہ کر کے جو دراصل ملوکیت ہے اور اس کی جگہ اللہ کا قانون نافذ کرے یہ خلافت ہو گی۔ خواہ سارا کفر اسے ملوکیت یا آمریت ہی کہے۔

اسلامی حکومت : سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام اگر جمہوریت بھی نہیں اور ملوکیت بھی نہیں تو پھر ہے کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نام ہے اللہ کی نیابت کا جسے خلافت کہتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اس کا فرض ہے کہ سب سے پہلے اس حقیقت کو اپنے دل میں یقین کی حد تک بٹھائے کہ وہ اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ مسلمان ہوتے ہی وہ خلافت کے کاروبار میں لگ جائے۔ ابتدا ہی ذات سے کرے کہ اپنے آپ پر یعنی اپنے وجود پر اپنے مشاغل پر اور اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کا قانون نافذ کرے۔ اس خلافت کا دائرہ وسیع ہوتے ہوتے قومی' وطنی اور بین الاقوامی حدود تک پھیل جائے۔

اسلامی خلافت کیسے چلی : اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق ہے اور ساتھ ہی مدبر کائنات بھی ہے۔ ساری کائنات کا نظام وہ چلا رہا ہے۔ پوری کائنات پر حکومت کرنا صرف اسی کا منصب ہے۔ اس کا قانون دو قسم کا ہے پہلی قسم تکوینی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پیدائش اور فطرت کے اعتبار سے اللہ نے جس چیز کی پیدائش بقا اور خاتمے کا جو قانون مقرر کر دیا ہے ہر چیز اس قانون کی پابند ہے۔ خواہ وہ جملات سے

نباتات سے حیوانات سے یا انسان سے تعلق رکھتی ہو۔ اس قانون کے سلسلے میں کائنات کی ہر چیز مسلمان ہے کیونکہ وہ فطرت کے قانون سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا۔

دوسری قسم تشریعی قانون ہے۔ اس کا تعلق انسان سے ہے اور اس میں انسان کو اختیار کی آزادی دی گئی ہے چاہے تو اس قانون کو تسلیم کرے چاہے تو انکار کر دے۔ پہلی صورت میں اس کا نام مسلم ہو گا اور دوسری صورت میں کافر۔ پھر مسلم پر دو فرض عائد ہوتے ہیں اول اپنے آپ پر یہ قانون نافذ کرے دوم اپنے اختیارات کے دائرے میں۔ اس تشریعی قانون کے نفاذ کا نام خلافت ہے۔ اس نظام کی عملی صورت یہ ہے کہ:

(1) اللہ تعالیٰ خود قانون ساز ہے یعنی آمر ہی نہیں بلکہ آمر مطلق ہے' اس آمر مطلق کے قانون کا نام اسلام ہے اور اس قانون کو نافذ کرنے کا نام نظام خلافت ہے۔

(2) اس آمر مطلق نے اپنا قانون اپنے بندوں تک پہنچانے کے لئے ایک بندے کا انتخاب کیا یا یوں کہئے کہ نامزد کیا اور اس کے ذمے یہ قانون نافذ کرنے کا کام لگایا۔ اور یہ کام انسان کی پیدائش کے وقت سے شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کا آخری نامزد کردہ انسان جب اس خدمت پر مامور ہوا تو اس نے اللہ کا قانون نافذ کر کے رہتی دنیا تک کے لئے مثال قائم کر دی۔ اللہ کے اس آخری نمائندہ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اللہ کا یہ خلیفہ پبلک نے انتخاب کر کے نہیں بنایا بلکہ اللہ نے جو آمر مطلق ہے اس نے اسے نامزد کیا۔ آج کی مغربی جمہوریت تو یہ کہے گی کہ واہ اسلام کی بنیاد ہی ملوکیت ہے۔ مگر اسلام بہانگ دہل کہتا ہے کہ یہ خلافت ہے۔ اسے ملوکیت کہنا تمہاری حماقت ہے۔

(3) اللہ آمر مطلق کے اس نامزدہ حکمران نے جو غیر منتخب حکمران تھا۔ اپنے آخری ایام میں اپنا خلیفہ نامزد کر دیا جس کا نام ابوبکرؓ تھا۔ یہاں یہ بات واضح کر دوں۔ نبی کا اصلی اور حقیقی کام دین پھیلانا اور اس پر عمل کرانا ہوتا ہے حکومت ضمنی کام ہے جو دین کے ماتحت دین کا ایک شعبہ ہے اگر حکومت ہی دین ہوتا تو ہر نبی بادشاہ یا حکمران لازماً" ہوتا

مگر ایسا نہیں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف چند ایک نبی مثلاً حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ اور حضرت موسیٰؑ ہی بادشاہ بھی ہوئے ہیں۔ لہٰذا دین میں جو نائب ہو وہ نبی کا حقیقی نائب ہوتا ہے اور دین کا پہلا فرض نماز ہے اور اللہ کے آخری نبیؐ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے سامنے اپنے مصلیٰ پر حضرت ابوبکرؓ کو خود کھڑا کیا اور آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے 17 نمازیں پڑھائیں' لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خلیفہ خود نامزد کیا۔ پھر امت میں سے اہل الرائے حضرات نے ابوبکرؓ کی بیعت کی اور اس کے بعد ساری امت نے آپ کی بیعت کرلی۔ یعنی سب نے عہد کیا کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ اس بیعت عامہ کا مطلب یہ ہوا کہ ہر مسلمان جو اللہ کا خلیفہ ہے نے ابوبکرؓ کو خلیفہ رسول تسلیم کرلیا۔

(4) حضرت ابوبکرؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کیا۔ پھر تمام مسلمانوں نے ان کی بیعت کی اور خلیفہ کا لقب امیرالمومنین قرار پایا۔

(5) حضرت عمرؓ نے اپنے فوت ہونے سے پہلے چھ اہل الرائے اصحاب کی کمیٹی مقرر کر دی کہ یہ خلیفہ کا انتخاب کریں۔ اس کمیٹی نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ نامزد کیا۔ پھر بیعت عام ہو گئی۔

(6) حضرت عثمانؓ یہودی سازش کا شکار ہوئے اور کوفہ بصرہ اور مصر سے چھ چھ سو آدمی لائے گئے اور آپ کو شہید کر دیا گیا اور آپ کو خلیفہ نامزد کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اس لئے حضرت علی یوں خلیفہ بنے کہ قاتلین عثمان نے آپ کو خلیفہ نامزد کر دیا۔

(7) حضرت علیؓ بھی سازش کا شکار ہوئے اور آپ کے بیٹے حضرت حسنؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔

اس طرز انتخاب کو لوگ اسلامی جمہوریت کا نام دیتے ہیں تاکہ مغربی جمہوریت کی کچھ ساکھ قائم ہو جائے۔ حالانکہ آپ نے دیکھ لیا اور بیان کردہ کسی خلیفہ کے انتخاب میں پبلک سے ووٹ نہیں لیے گئے بلکہ اہل الرائے حضرات نے نامزد کیا اور پبلک نے ان کی رائے تسلیم کرتے ہوئے بیعت عامہ کرلی۔ اس لئے اس کو جمہوریت

نہیں کہہ سکتے یہ تو (Expert Opinion) قسم کا انتخاب ہوا ہے۔

(8) حضرت حسنؓ کے انتخاب میں کچھ غلط فہمیوں کے ازالہ کی صورت سامنے آتی ہے۔ پہلی یہ کہ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں موروثی بادشاہی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر درست ہے تو حضرت علیؓ کے بعد ان کے بیٹے کو کیوں خلیفہ چنا گیا۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں اصل چیز اللہ کے قانون کا نفاذ ہے۔ اس کی خواہ کوئی صورت ہو اسلام کسی خاص صورت کی تعیین نہیں کرتا۔

(9) حضرت حسنؓ کی جب بیعت عام ہو گئی تو گویا وہ منتخب خلیفہ ہو گئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا ہر اقدام گویا پبلک کا اقدام ہے۔ کیونکہ پبلک نے آپ کی بیعت جو کر لی۔ تو اپ نے حضرت معاویہؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا۔ اور جب ان کی بیعت ہو گئی تو آپ بھی اسی طرح خلیفہ ہوئے جیسے پہلے خلفاء ہوتے آئے ہیں۔ اگر حضرت حسنؓ کو منتخب خلیفہ تسلیم کریں تو امیر معاویہؓ کو لازماً" منتخب خلیفہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ منتخب خلیفہ کے نامزد کردہ خلیفہ تھے۔ حضرت معاویہؓ پر جو ملوکیت کی چھاپ لگائی جاتی ہے اور ملوکیت بھی وہ جس کو ارسطو سے لے کر زمانہ حال تک تمام سیاسی ملوکیت کہتے چلے آئے ہیں۔ حالانکہ یہ لیبل دو لحاظ سے غلط ہے۔ اول یہ کہ وہ منتخب خلیفہ کے نامزد کردہ خلیفہ تھے لہٰذا منتخب ہوئے دوم یہ کہ اسلامی نکتہ نگاہ سے آپ کی حکومت خلافت ہے۔ معروف معنوں میں ملوکیت نہیں۔ کیا آپ نے قرآن و سنت کے قانون کو منسوخ کر کے اپنا قانون چلایا۔ اگر نہیں اور واقعی نہیں تو وہ لامحالہ خلیفہ ہوئے اور ان کی حکومت خلافت ہوئی۔ کیونکہ آپ نے حسب سابق اللہ کے قانون کے نفاذ میں اپنا عہد خلافت پورا کیا۔ چلئے ذرا پلٹ کر بادشاہت اور آمریت کی وہ تعریف تو دیکھئے جو آج تک مختلف سیاسی کرتے چلے آئے ہیں۔

بادشاہت: عمر بھر کے لئے مطلق اختیارات کے ساتھ ایک شخص کی حکومت قانون سازی' قانون کا نفاذ' عدلیہ کے تمام اختیارات کا مالک بادشاہ ہوتا ہے۔

ایک شخص تمام اختیارات کا مالک' اپنے لامحدود اختیارات کو بلا تامل بغیر کسی

پابندی کے استعمال کرے۔ آمر کا حکم قانون ہوتا ہے۔ اس آئینے میں دیکھئے کیا امیر معاویہؓ کی حکومت میں یہی صفات پائی جاتی تھیں۔ کیا انہوں نے اسلام کے قانون اور خلفائے راشدین کے نظام کو منسوخ کرکے اپنا کوئی خودساختہ نظام یا قانون جاری کیا۔ کیا انہوں نے اپنے عدالتی نظام میں کوئی تبدیلی کی؟ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں تو ان کا عہد ملوکیت کا عہد کیسے بن گیا؟

اس سے آگے چلئے کیا سارے اموی دور میں کسی خلیفہ نے اسلام کے آئین یا قانون کو منسوخ کرکے اپنا آئین یا قانون بنا کر نافذ کیا؟ تاریخ اس امر کی کوئی شہادت نہیں دیتی۔

اس سے آگے چلئے کیا بنو عباس کے دور میں کسی مرحلے پر اسلامی آئین و قانون کی تنسیخ کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ کیا عباسی دور میں عدالتی نظام میں کوئی تبدیلی آئی۔ اس عہد میں تو عجیب مثالیں ملتی ہیں مثلاً (1) منصور کے دور میں قاضی بصرہ سوار بن عبداللہ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں ایک فریق سائیس اور دوسرا سوداگر تھا۔ سوداگر کی منصور تک رسائی تھی۔ منصور کے قاضی کے پاس فرمائش بھیجی کہ فیصلہ سوداگر کے حق میں کرنا۔ قاضی نے لکھا کہ جو شہادتیں میرے سامنے پیش ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصد بحق سائیس ہو گا اور میں شہادت کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتا۔ منصور نے تاکیدی حکم بھیجا۔ قاضی نے انکار کر دیا۔ منصور خوش ہوا اور کہا الحمداللہ عدل میری تمام مملکت میں پھیل چکا ہے۔

اگر یہ ملوکیت ہوتی تو قاضی تختہ دار پر لٹکا ہوتا اور اگر مغربی جمہوریت ہوتی تو قاضی لازماً" کوئی جیالا ہوتا تو بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں نہ صرف سوداگر کے حق میں فیصلہ سناتا بلکہ سائیس کو سزا بھی سناتا تاکہ سرکار زیادہ خوش ہو۔

(2) منصور ایک دفعہ مدینہ میں تھا۔ چند شتربانوں نے کسی معاملہ میں اس پر نالش کر دی۔ قاضی مدینہ نے اسے باضابطہ طور پر بلایا۔ جب وہ عدالت میں آیا تو اس کی تعظیم کے لئے نہ اٹھا۔ اور مقدمہ میں شتربان چونکہ سچے تھے۔ شہادتیں ان کے حق میں

تھیں۔ اس لئے قاضی نے فیصلہ منصور کے خلاف کر دیا۔ منصور نے کہا اس عدل کے بدلے اللہ جزائے خیر دے۔

کیا ملوکیت میں اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔

(3) امام ابو یوسف قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے اور تین خلفا مہدی ہادی اور ہارون الرشید کے عہد میں اسی عہدے پر رہے۔ ایک دفعہ ہارون الرشید اور ایک یہودی کا مقدمہ آپ کے پاس آیا۔ یہودی خلیفہ سے ذرا پیچھے ہٹ کر آپ کے سامنے کھڑا ہوا۔ آپ نے کہا خلیفہ کے برابر آکر کھڑے ہو عدالت انصاف میں کسی کو کسی پر برتری نہیں ہے۔ یہاں شاہ و گدا برابر ہیں۔ ہارون الرشید آپ کے عدل و انصاف پر بہت خوش ہوا۔

کیا ملوکیت میں ایسا کرنے کا امکان ہے۔ نہیں بلکہ آج کی مغربی جمہوریت میں بھی اس قسم کے عدالتی نظام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(4) خلیفہ معتصم باللہ کی سطوت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ معتصم نے جب ہرملی کے قتل کا حکم دیا اور جلاد اس کا سر قلم کرنے لگا تو قاضی احمد بن داؤد جو اس وقت قاضی القضاۃ تھے۔ آگے بڑھ کے کہا کہ آپ اسے قتل کرتے ہیں مگر اس کے مرنے کے بعد اس کا مال و اسباب کیونکر لے سکتے ہیں۔ معتصم نے طیش میں آکر کہا مجھ کو اس کے مال و اسباب سے کون روک سکتا ہے۔ قاضی احمد نے کہا اللہ اور اس کا رسولؐ روک سکتا ہے۔ کیونکہ شرعاً وارث کو ملے گا اور جب تک آپ اس کے قتل کو جائز ثابت نہ کریں وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا۔ معتصم نے قتل کرنے کا حکم واپس لے لیا۔

اب بتائیں کیا آپ اسے ملوکیت کہیں گے یا خلافت؟

اس سے آگے چلئے دولت عثمانیہ ترکی:

عام رواج کے مطابق سلاطین ترکیہ کو ملوک ہی شمار کیا جاتا ہے۔ اور دولت عثمانیہ کو ملوکیت کا نام دیا جاتا ہے مگر ترکی سلطنت کے بنیادی نظریہ اور سلاطین کے حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ سراسر تہمت ہے۔

سب سے پہلے یہ نظر آتا ہے کہ ترکی میں سلاطین وقتاً "فوقتاً" معزول ہوتے رہے۔ 1222ھ سے 1292ھ تک تو چار سلاطین معزول کئے گئے۔ ملوکیت میں معزولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر یہ دیکھنا ہے کہ ترکی میں آئین و قانون اسلامی کا نفاذ ہوتا ہے یا کسی سلطان نے اپنا قانون بنا کر بھی ملک میں نافذ کیا۔ اس کی مثال کوئی نہیں ملتی۔

پھر یہ دیکھنا ہے کہ ترکی میں عدالت کا نظام سلطان کی مرضی اور خواہش کے مطابق تھا یا اسلامی عدل کا دستور تھا۔

ترجمان حقیقت نے سلطان مراد کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ علامہ کے الفاظ میں ہی بیان کیا جائے۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ سلطان نے ایک عمارت بنوائی۔ جب بن چکی تو سلطان کو پسند نہ آئی۔ اس نے معمار کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا۔ معمار نے عدالت میں سلطان کے خلاف نالش کر دی۔ آگے کیا ہوا۔

قاضی عادل بدنداں خستہ لب کردہ شاہ را در حضور خود طلب

یعنی قاضی کو سلطان کی یہ حرکت پسند نہ آئی اور سلطان کو اپنی عدالت میں طلب کیا۔

رنگ شاہ از ہیبت قرآن پرید پیش قاضی چوں خطا کاراں رسید
از خجالت دیدہ برپا دوختہ عارض او لالہ ہا یا اندوختہ
یک طرف فریادی دعوی گرے یک طرف شاہنشہ گردوں فرے

یعنی سلطان نے قاضی کا حکم سنا تو چشم تصور کے سامنے یہ منظر آ گیا کہ قانون قرآن کا چلے گا۔ قرآن کی ہیبت سے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اور شرمندگی سے نگاہیں جھکا کر قاضی کے سامنے پیش ہوا۔ عجب منظر ہے کہ ایک طرف ایک عام معمار اور ایک طرف اتنا عظیم سلطان۔ مگر

گفت شاہ از کردہ خجلت بردہ ام اعتراف از جرم خود آوردہ ام

سلطان نے کہا میں اپنے کئے پر نادم ہوں اور اقراری مجرم ہوں۔

گفت قاضی فی القصاص من آبد حیات

گفت قاضی فی القصاص من آبد حیات　　زندگی گیرد باین قانون ثبات

قاضی نے قرآن کی آیت پڑھی **ولکم فی القصاص حیاۃ** یعنی زندگی کا راز قصاص میں پوشیدہ ہے۔ مطلب یہ کہ آپ کی ندامت اور اقرار جرم کافی نہیں۔ قرآن قصاص کا مطالبہ کرتا ہے۔

عبد مسلم کمتر از احرار نیست　　خون شہ رنگیں تر از معمار نیست

یعنی مسلمان کسی سوسائٹی میں خواہ کتنی گھٹیا پوزیشن کا ہو قانون کی نگاہ میں وہ بادشاہ سے کم نہیں اور بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگیں نہیں۔

چوں مراد ایں آیۂ محکم شنید　　دست خویش از آستیں بیروں کشید

مراد نے جب قرآن کریم کی آیت سنی تو آستین سے ہاتھ باہر نکال کر پیش کر دیا کہ قصاص لے لیا جائے۔

مدعی را تاب خاموشی نماند　　آیۂ بالعدل والاحسان خواند

معمار یہ منظر دیکھ کر سخت متاثر ہوا اور قرآن کریم کی ہر آیت پڑھی۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے عدل کرنے کا اور دوسروں کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے کا

گفت از بہر خدا بخشیدمش　　از برائے مصطفیٰ **بخشید** مش

کہنے لگا میں نے سلطان کو فی سبیل اللہ معاف کر دیا۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے اور رسولؐ رحمت کی خوشنودی کے لئے معاف کر دیا۔

ترجمان حقیقت اس واقعہ کا نتیجہ پیش کرتے ہیں۔

یافت مورے بر سلیمانے ظفر　　سطوت آئین پیغمبر نگر

یعنی ایک چیونٹی ایک سلیمان سے بازی لے گئی۔ یہ ہے اسلام کی شان اور اس آئین کا غلبہ اور قوت جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نوع انسانی کے لئے لے کے آئے۔

اب ذرا غور کیجئے کیا ملوکیت میں اس کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ شاہ کا ملازم ایک

قاضی، شاہ کو عدالت میں طلب کرے۔ اور وہ نہایت بے بسی کی حالت میں عدالت میں حاضر ہو اور سرعام اپنا ہاتھ کٹوانے کے لئے پیش کر دے۔

خدا جانے لوگ بڑی بے تکلفی سے کیسے کہہ دیتے ہیں کہ اسلام میں خلافت تو صرف چند برس رہی۔ بعد میں تو ملوکیت ہی ملوکیت نظر آتی ہے۔

ترکی میں یہ خلافت 1924ء تک رہیں۔ 1924ء میں کمال پاشا نے یورپ کی نقالی کے جذبے سے سرشار ہو کر خلافت کی بساط لپیٹ دی اور مغربی جمہوریت کی لعنت کا طوق قوم کے گلے میں لٹکا دیا۔ ترجمان حقیقت نے کہا تھا۔

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ •

اس شعر میں ناداں اور سادگی کے معروف معنی نہیں بلکہ یہاں پہلے لفظ کے معنی مرتد ہیں۔ اور دوسرے کے معنی حماقت ہیں۔ اور اللہ کے قانون کے خلاف بغاوت کر کے خود خدا بن جانا نادانی نہیں بغاوت ہے ڈھٹائی ہے اور ارتداد ہے۔

ایک نظر ادھر بھی: دولت سلجوقیہ : ایک دفعہ ملک شاہ سلجوق نے 29 رمضان کو عید کا چاند دیکھنے کا خود بڑے شوق سے اہتمام کیا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں اقتدار ہو وہاں خوشامدی حاضر۔ خواہ حکومت کی شکل کوئی ہو۔ چنانچہ خوشامدیوں نے شور مچایا وہ چاند نظر آگیا۔ ملک شاہ نے منادی کرا دی کل عید ہے۔ امام الحرمین ابالمعالی قاضی القضاۃ تھے۔ انہوں نے منادی کرا دی کہ ابوالمعالی کہتا ہے کل تک رمضان ہے۔ خوشامدیوں نے شاہ کو اطلاع دی اور خوب بھڑکایا۔ حکم دیا کہ عزت و احترام سے میرے پاس لاؤ آپ کو پیغام پہنچا تو جس حالت میں تھے اٹھ کے آگئے۔ درباری لباس پہننے کا تکلف نہ کیا جب دربار میں پہنچے تو بدنہاد مصاحبوں نے اور طیش دلایا کہ دیکھئے یہ کس لباس میں آئے ہیں۔ سلطان نے پوچھا آپ اس ہیئت کذائی میں کیوں تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ پہلی بات یہ ہے کہ میں اس وقت جس لباس میں ہوں اسی میں نماز پڑھتا ہوں۔ جب اللہ کے سامنے اس لباس میں جاتا

ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا پیغام سنا تو خیال آیا کہ دیر ہوئی تو بادشاہ اسلام کے حکم کی تعمیل میں دیر کرنے کا گناہ سرزد ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کہ بادشاہ اسلام کی اطاعت اگر اس طرح واجب ہے تو میرے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی؟ انہوں نے فرمایا کہ جو امور حکم سلطانی پر موقوف ہیں۔ ان کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتویٰ کے متعلق ہے وہ بادشاہ ہو یا کوئی اور مجھ سے پوچھنا چاہئے۔ کیونکہ بحکم شریعت علماء کا فتویٰ حکم شاہی کے برابر ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اعلان کرا دیا کہ میرا حکم غلط تھا اور امام الحرمین کا حکم صحیح ہے۔

اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کیا یہ صورت حال ملوکیت میں پیدا ہو سکتی ہے۔ ہماری جمہوریت بلکہ اسلامی جمہوریت کا یہ حال ہے کہ حکومت کفر کے گھر جا کر اعلان کرتی ہے کہ قرآن کی سزائیں ظالمانہ ہیں۔ چھوٹی حکومت ملک میں اعلان کرتی ہے کہ تہذیبی گھٹن دور کرنے کے لئے ناچنے گانے کی آزادی ہونی چاہئے۔ دیکھئے کب یہ اعلان ہوتا ہے کہ تہذیبی گھٹن دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہیرا منڈی کا دائرہ محدود نہ ہو۔ ہر جگہ آزادی سے یہ شغل کیا جائے۔

دولت غزنویہ کا ایک منظر بھی ملاحظہ ہو

علی نوشگین۔ محمد غزنوی کا ایک سپہ سالار تھا۔ ایک دن نشہ کی حالت میں سواروں کے جھرمٹ میں گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ محتسب نے اسے بدمستی کی حالت میں دیکھا۔ حکم دیا کہ اسے گھوڑے سے اتار لو۔ پھر خود اپنے گھوڑے سے اتر کر اپنے ہاتھ سے سپہ سالار کو درے لگائے سوار اور پیادے کھڑے دیکھتے رہے دم نہ مار سکے۔ محمود کو خبر ملی۔ دوسرے دن جب سپہ سالار سلطان کے پاس آیا تو اس نے سپہ سالار کی پیٹھ کھول کر دیکھی کہ واقعی محتسب نے اپنا فرض ادا کیا۔ دروں کے نشان موجود تھے۔ سپہ سالار نے کہا توبہ کرو اب میں اس سے باز آیا۔

یہ ملوکیت ہے ادھر اپنی جمہوریت ملاحظہ ہو جو اسلامیہ جمہوریہ ہے اور لطف

یہ کہ آج تک جتنے حکمران منتخب ہو کر آئے۔ دو تین کو چھوڑ کر سارے شرابی اور گزیٹڈ شرابی۔ اب خود فیصلہ کیجئے کہ یہ منتخب حکومت اچھی یا وہ ملوکیت اچھی۔ جس ملوکیت میں اسلامی قانون کی رو سے جو اس قابل ہے کہ اسے سرعام کوڑے لگائے جائیں۔ مغربی جمہوریت میں وہ حکمرانی کا اہل ہے۔ بھاڑ میں جائے یہ منتخب حکومت۔ جو اسلامی حکومت ہونے کے دعویٰ کے باوجود اسلام کے ساتھ ایسی ڈھٹائی کا معاملہ کرے کہ قرآن کی سزاوں کو ظالمانہ قرار دے اور جس کی عدلیہ اس درجے کی اسلامی ہو کہ اللہ کے آخری رسولؐ بلکہ خاتم الانبیاءؐ کی توہین کو جرم ہی قرار نہ دے اور اسلامی جمہوریہ توہین رسولؐ کے مرتکب کو تحفظ دے کر بلکہ کرایہ دے کے محفوظ مقام پر بھیج دے تاکہ اسلامی جمہوریہ میں لوگ توہین رسولؐ شوق اور رغبت سے کریں کہ ایسا کرنے والے کی اتنی پذیرائی ہوتی ہے۔

قطب الدین بختیار کاکی دہلی میں ایک اونچے پائے کے ولی اللہ گزرے ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا۔ جنازہ کے لئے مخلوق جمع ہوئی تو ان کے خلیفہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ جنازہ ان کی وصیت کے مطابق وہ شخص پڑھائے گا۔ جس میں یہ تین باتیں ہوں:

1- اس کی تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔

2- جماعت کے ساتھ اس کی تکبیر تحریمہ کبھی نہ فوت ہوئی ہو۔

3- اس کی نظر کبھی غیر محرم عورت پر نہ پڑی ہو۔

کوئی شخص آگے نہ بڑھا۔ کچھ دیر کے بعد ایک شخص سامنے آیا جانتے ہو وہ کون تھا؟ جمہوریت کی زبان میں وہ ایک آمر تھا۔ جس کا نام سلطان شمس الدین التمش تھا جو سلطنت دہلی کا حکمران تھا۔ اس نے جنازہ پڑھایا اور کہا مجھے خواجہ قطب الدینؒ سے شکایت ہے کہ انہوں نے میرا پردہ فاش کر دیا۔

اس منتخب حکومت کے لئے زیبا نہیں جو اسلام کے دعویٰ کے ساتھ نہایت دلیری سے اسلام کا مذاق اڑائے اور اس کا ہر قدم اسلام کی مخالفت میں اٹھے۔

ہماری موجودہ اسلامی جمہوریت کی واقعی ایک مجبوری بھی ہے کہ

(1) اس پر جو آزادی کا لیبل لگ گیا ہے وہ ایک تہمت سے زیادہ کچھ نہیں آزادی صرف کالے انگریزوں کے لئے ہے کہ وہ قوم اور ملک کو جی بھر کے لوٹیں انہیں کوئی نہیں پوچھے گا۔

(2) انگریز نے اسلام کی تذلیل کے لئے 1860ء میں جو قانون بنایا تھا کاغذات مال میں امام مسجد کو کمین لکھا جائے وہ آج 1995ء میں اپنی اصل روح کے ساتھ اسلامی جمہوریہ کا قانون بھی ہے۔ جس تنظیم کا لیڈر اور پیشوا کمین سمجھا جائے اس تنظیم اور اس نظریئے کی قدر کیا ہو سکتی ہے۔

(3) لوگ خواہ مخواہ اس مغربی جمہوریت سے توقع لگائے بیٹھے ہیں کہ یہ اسلامی جمہوریہ ہے۔ اس لئے اسلام نافذ کرے گی۔ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اسلام نام ہے قرآن و سنت کا اور قرآن اللہ کا قانون ہے جو آمر مطلق ہے اور سنت نام ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کا اور آپ بھی غیر منتخب حکمران یعنی آمر تھے۔ اور مغربی جمہوریت کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ وہ کسی آمر یا غیر منتخب حکمران کے قانون کو اپنا لے اور اپنے آئین میں اسے داخل ہونے دے۔

(4) انگریز جو آزادی دے گیا ہے وہ صرف قانون ہی ورثے میں نہیں دے گیا بلکہ اپنے ایسے شاگرد جو اس کی معنوی اولاد ہیں وہ بھی چھوڑ گیا ہے اور یہاں اقتدار ہمیشہ انہیں کے پاس رہتا ہے وہ کیونکر گوارا کر سکتے ہیں کہ اپنے ورثے کو چھوڑ کر اللہ و رسول سے آئین اور قانون کی بھیک مانگتے پھریں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اسلام کی نگاہ میں

(1) حکومت کی صحیح صورت کا نام صرف خلافت ہے اور خلافت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں پر اللہ کا قانون نافذ کیا جائے یہ ہیئت حاکمہ خواہ ایک جماعت کی صورت میں ہو یا ایک فرد واحد میں جسے لوگ ملوکیت یا آمریت کہیں۔ وہ حقیقت میں خلافت ہے اور اس کی نظیر قرآن مجید میں ملتی ہے کہ بعض رسول نبوت کے ساتھ بادشاہ اور آمر بھی

رہے ہیں۔ قرآن اس آمریت کو نعمت الٰہی قرار دیتا ہے۔

(2) ملوکیت سے مراد وہ حکومت ہے جو اسلام کے مقابلے میں انسان کو قانون سازی کا کام سونپے اور انسان کے بنائے ہوئے قانون کو نافذ کرے وہ خواہ ایک فرد کی حکومت ہو یا ایک منتخب گروہ کی حکومت ہو وہ ملوکیت ہے۔

(3) ہماری نام نہاد اسلامی جمہوریہ بدترین قسم کی ملوکیت ہے۔ بدترین اس وجہ سے کہ اس نے انگریزی نظام حکومت میں چند باتیں اسلام کی شامل کر دی ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے آٹا پیسنے کی مشین میں ایک دو پرزے ہوائی جہاز کے لگا دیئے جائیں۔ اب یہ مشین نہ اڑ سکے گی یا آٹا پیسنے کا کام دے سکے گی۔ اس لئے اسلام کا مطالبہ ہے کہ **ادخلوا فی السلم کافتہ** یہ نہیں کہ مذہب اسلام ہے ہماری سیاست جمہوریت ہے ہماری معیشت سوشلزم ہے یعنی ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

ہمارا حال یہ ہے جیسے کوئی شخص عربوں کی طرح رومال اور عقال سر پر باندھ لے گلے میں سینڈو بنیان پہن لے اور پاجامہ کی جگہ انڈرویئر پہن لے اور خوش ہو کہ میں نے اسلامی لباس پہنا ہوا ہے یا یہ کہ خنزیر کا گوشت کھائے اور زمزم کا پانی پئے اور کہے دیکھ' کیسی پاکیزہ اور مقدس غذا ہے۔ اس وجہ سے اس مغربی جمہوریت کو بدترین ملوکیت ہی کہنا موزوں اور مناسب ہے۔

اس کے مقابلے میں خدا جانے یہ کیونکر کہہ دیا گیا اور تسلیم کر لیا گیا اور کس طرح حقائق سے چشم پوشی کرکے اب تک کہا جا رہا ہے کہ اسلام جس خلافت کا دعوٰی دار ہے وہ گنتی کے چند برس تک ہی رہی۔ اس کے بعد اب تک ملوکیت کا دور دورہ ہے۔ حالانکہ اسلام جس خلافت کی تعلیم دیتا ہے وہ نوع انسانی کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر انسانیت نہیں پنپ سکتی۔ ہاں انسان نما حیوانوں سے یہ کرہ ارض مقررہ مدت تک آباد ہی رہے اور مسلمانوں نے اس خلافت کو اپنی مرکزیت کے ساتھ چودھویں

صدی تک جاری رکھا۔ چودھویں صدی میں ابلیس کا ایک شاگرد رشید اور مردم شماری کے مسلمان کمال پاشا نے اللہ و رسولؐ سے بغاوت کر کے اس نظام کے خاتمہ کا اعلان کیا اور اس کی جگہ مغربی جمہوریت کی لعنت کو گلے کا ہار بنا لیا۔

مرکزی حیثیت کے اعتبار سے 1924ء میں خلافت کا نظام ختم ہوا مگر اب بھی اللہ و رسولؐ کا قانون مسلمانوں کے ہاں نافذ کرنے کا اہتمام موجود ہے۔ مثلاً سعودی عرب میں قرآن و سنت کا قانون نافذ ہے اور اس کا اثر یہ ہے کہ ہماری بی جمہوریت میں جتنے جرائم ایک دن میں ہوتے ہیں عرب میں ایک سال میں بھی نہیں ہوتے۔ اور امن و سکون کا یہ عالم ہے کہ وہاں دکانوں کو تالے لگانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی اور بی جمہوریت کی برکات کا یہ عالم ہے کہ یہاں نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال نہ آبرو۔ اور نہ قانون کا احترام ہے گویا ملوکیت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ البتہ اس کا نام جمہوریت ہے۔ اور یہ نام بدلنا بڑا دانشورانہ فن ہے۔

اپنے ہاں دیکھ لیجئے کہ نام کے بدلنے میں کتنی برکات کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔

(1) غلامی کے دور میں ایک لفظ استعمال ہوتا تھا۔ ڈوم اور جس آدمی کے لئے ڈوم کا لفظ استعمال ہوتا تھا وہ معاشرے میں ذلیل ترین انسان سمجھا جاتا تھا۔

آزادی حاصل ہوئی تو یہ مخلوق ختم ہوئی اور یہ نام کبھی سننے میں نہیں آیا اب دانشورانہ فن کاری کا تقاضا کہ فن مرنے نہ پائے چنانچہ نام رکھا گلوکار۔ اس لفظ کا صوتی تاثر ہی بڑا دلکش ہے اور اس کی پذیرائی کا یہ عالم ہے۔ سید اور نیازی اپنے نام کے ساتھ سید اور نیازی لکھ کر گلوکار کہلانا اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے یہ ڈوم ہرگز نہیں یہ گلوکار ہیں۔

(2) اسی طرح دور میں غلامی میں ایک لفظ بھانڈ تھا۔ دیکھئے آواز ہی بھیانک۔ فنکاری یہاں بھی آڑے آئی اور نام رکھا اداکار یا فلم سٹار۔ بس پھر کیا تھا سید اور پیرزادے بھی دھڑا دھڑ اداکار بننے لگے۔

(3) اسی طرح غلامی میں ایک قوم مجرا کرنے والی کنجریاں۔ آزادی آئی اور وہ ختم ہو گئیں۔ اب ہیں رقاصائیں۔ دیکھئے زبان سے یہ لفظ ادا کرتے ہی لطف آ جاتا ہے۔ اور ان لوگوں کی پذیرائی یہاں تک ہے کہ انہیں V.I.P شمار کیا جاتا ہے۔ اور اسلامی جمہوریہ میں نحمد و نصلی پڑھ کر ان کو ایوارڈ دیئے جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ملوکیت کا نام بدل کر جمہوریت لکھ دیا گیا اور اس میں اور زیادہ تقدس کا رنگ پیدا کرنے کے لئے اسلامی کا لفظ ساتھ بڑھا دیا گیا۔ اور بڑے فخر سے قانون سازی کر کے انسان نے اپنے آپ کو خدا کے مقام پر پہنچا دیا ہے۔ لفظ اسلامی میں بھی بڑی فنکاری دکھائی گئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ۔

لام نستعلیق کا ہے اس بت کافر کی زلف
ہم تو کافر ہیں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے

اس لام کو اسلام لکھ دیا کہ پڑھنے والے وہ بڑھتے رہیں اور حقیقت اپنی جگہ قائم رہے۔

غلط فہمی بہت ہے عالم الفاظ میں اکبر
بڑی مایوسیوں کے بعد آخر کام چلتا ہے